اسلامی ادب کے مباحث: اردو تنقید کے تناظر میں

ڈاکٹر اورنگ زیب نیازی
لیکچرر شعبہ اردو، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور

URDU CRITICISM
AND DEBATE OF ISLAMIC LITERATURE

Aurang Zeb Niazi, PhD
Lecturer in Urdu
Government Islamia College Civil Lines, Lahore

Abstract

The debate of Islamic literature was initiated long before establishment of Pakistan though the term was not applied at that time as vividly as was done right after the emerging of Pakistan as an independent state. This movement was launched in retaliation of communist propaganda mainly against Islam and Pakistan. This reaction appeared on two fronts. On one hand Movement for Islamic Literature was there to resist the conspiracy against Islam and Pakistan, as conceived by them, and on the other hand literary giant like Muhammad Hasan Askari began defending Islam and its social values through his criticism. Askari was of the view that role of Islam stood central in formation of our culture. Askari was given an ear in literary circles. The debate of Islamic Literature in Urdu produced both pro and anti proponents which later turned to be an invaluable assets of critical tradition of Urdu language.

Keywords: اسلام، ابن عربی، سرسید، مسلم تہذیب، شبلی، محمد حسن عسکری، رینے گینوں، فردوسی، فراق، گورکھپوری، سراج منیر

پاکستان میں اسلامی ادب کے کردار کو اردو ادب اور اسلام کے رشتے یعنی ادب پر اسلام کے عقائد و نظریات اور تہذیبی تصورات کے اثر اور پاکستانی معاشرے میں ادب کے وسیلے سے اسلامی اقدار کے فروغ کی خواہش اور ارادے سے متعین کیا جا سکتا ہے۔ اردو تنقید میں یہ رجحان دراصل اس ردِعمل کی پیداوار ہے جو ترقی پسند تحریک کے اشتراکی فلسفے سے تصادم کی صورت میں پیدا ہوا۔

دنیا کی فکری تاریخ کو دو مذاہب اسلام اور عیسائیت کے عقائد و نظریات نے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ دنیا بھر کی مختلف زبانوں کے ادب عالیہ پر ان مذاہب کے نظامِ فکر کی گہری چھاپ محسوس کی جا سکتی ہے۔ ادب پر اسلام کے اثرات کا سلسلہ ابن عربی کی شاعری اور فکر و فلسفے سے لے کر موجودہ عہد کے ادب تک پھیلا ہوا ہے۔ اردو میں اسلامی ادب کے ابتدائی نقوش بہمنی سلطنت (جنوبی ہندوستان) اور اس کے بعد گولکنڈہ و بیجاپور کے ادب میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ مسلمان صوفیا نے اشاعتِ اسلام اور تبلیغ دین کے لیے ادب اور شاعری کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ اردو ادب کے ان ابتدائی نمونوں پر اسلامی عقائد کا اثر بہت گہرا ہے۔ مسلم تہذیب کے اثرات نے ہندوستان کی سرزمین میں ایک نئی تہذیبی فضا پیدا کی۔ جس نے براہ راست یہاں کے تخلیقی عمل کو متاثر کیا۔ اس لیے یہاں پر مسلمانوں نے جو ادب تخلیق کیا اس کا انفرادی رنگ اسلامی عقائد و نظریات اور اسلامی تہذیب کے عناصر کی وجہ سے بنتا ہے۔ اردو ادب کی یہی روایت پاکستان کو ورثے میں ملی جو اسلامی اثرات کی بہ دولت ہندوستان کے ادب سے ممتاز اور ممیز ہے۔ جیلانی کامران کا کہنا ہے:

> ''حقیقت یہ ہے کہ جس ادب کو مسلمانوں نے تخلیق کیا اور جو اب ہمارے قومی سرمایے میں شامل ہے اس کی اصل قدر و قیمت اسلام ہی کے حوالے سے جانچی جا سکتی ہے۔''(۱)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کے ہاں اپنی ملت اور قوم کے حوالے سے ایک نیا طرزِ احساس جنم لے رہا تھا۔ اس نئے طرزِ احساس کو اجاگر کرنے میں سرسید کی اصلاحی تحریک کا بنیادی کردار تھا۔ سرسید تحریک ہی کے زیر سایہ اس دور میں اردو میں تنقید کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے (حالی کا

مقدمہ شعر وشاعری ۱۸۹۳ء) حالی کی تنقید میں بھی ملی اصلاح کا جذبہ اور وہ اخلاقی شعور کارفرما تھا جس کی بنیاد مذہب پر تھی۔ شبلی نے ادب کی جمالیاتی قدروں کو زیادہ پیش نظر رکھا لیکن اس کی تنقید میں بھی یہ ملی اور اخلاقی شعور زیریں سطح پر ضرور کارفرما رہا۔ گویا اردو تنقید کی ابتدا میں ہی اسلامی اثرات کارفرما تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اردو تنقید نے بعد میں جو بھی صورتیں اختیار کی ہوں اس کی ابتدا اسلام کے ملی اور اخلاقی شعور کے احساس سے ہوتی تھی۔ مگر یہاں ہماری تحقیق کا موضوع اسلامی ادب کی تنقید کا وہ رجحان ہے جو خالصتاً پاکستان میں آزادی کے بعد شروع ہوا۔ جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ یہ تنقید کا رجحان ترقی پسند تحریک کے اشتراکی فلسفے کے ردعمل کے طور پر سامنے آیا۔ پاکستانی ادب اور تہذیب وثقافت کے مباحث کا بنیادی محرک بھی یہی اشتراکی فلسفہ تھا۔ اشتراکی دانش ور اس نظریے کو کسی علاقے تک محدود نہیں سمجھتے تھے۔ وہ مذہب' عقائد' اقوام اور دیگر تصورات کو مادی تصورات کے تابع سمجھ رہے تھے۔ انھوں نے انسان دوستی اور بین الاقوامیت کا نعرہ لگایا اور بعض اشتراکی نقادوں کی طرف سے مذہب اور خدا کی تضحیک اور لادینیت کا رویہ بھی سامنے آ رہا تھا۔ پاکستان کے کچھ دانش وروں نے اسے قومی وجود اور تشخص ملی اور اسلام کے لیے خطرہ قرار دیا اور اس کے خلاف آواز اٹھائی۔ یہ ردعمل دوگروہوں کی طرف سے سامنے آیا۔

پہلا گروہ وہ ہے جس نے مخصوص مذہبی میلانات کے زیر اثر تحریک ادب اسلامی کا آغاز کیا اور پاکستانی معاشرے میں نیشنلزم اور اشتراکیت کے مقابلے میں اسلامی اقدار کے نفاذ اور اصلاح پر زور دیا۔

دوسرا گروہ محمد حسن عسکری اور ان کے معتقدین کا تھا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر رینے گینوں کے مشرقی اور اسلامی تہذیب کے تصور کو اجاگر کرنے کے لیے کوشاں تھا۔

اول الذکر گروہ نے اپنے نقطۂ نظر کے فروغ کے لیے تحریک ادب اسلامی کی تنظیم سازی کی۔ مختلف مقامات پر اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور تخلیقات پر بحث مباحثے کے لیے حلقہ ارباب ذوق کی طرز پر ہفتہ وار تنقیدی مجالس کا اہتمام بھی کیا گیا۔ 'فاران' اور 'چراغ راہ' جیسے رسائل نے اس کے فروغ میں اہم کام کیا۔

تنقید کے باب میں اس طرزِ فکر کی نمائندگی فروغ احمد، خورشید احمد، نعیم صدیقی، پروفیسر ہارون الرشید اور اسعد گیلانی جیسے نقاد کر رہے تھے۔ ان کی تنقید کا اصل مقصد ترقی پسند اور اشتراکی مکتبِ نظر کی مخالفت اور اردو ادب میں اسلامی اقدار کی پیش کش کو فروغ دینا تھا۔ اسلامی ادب کی یہ تحریک اردو میں کوئی خاص مقبولیت حاصل نہ کر سکی اور بہت جلد عملی طور پر ختم ہو گئی۔ یہ ایک مقصدی تحریک تھی مگر یہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہی۔ اس نے تخلیقی سطح پر ادب کو متاثر کیا نہ ہی اس رجحان نے اردو کے تنقیدی سرمایے میں کوئی قابلِ قدر اضافہ کیا۔ اس کی ناکامی کی بہت سی وجوہات تھیں۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اس نے تخلیق کار کو وہ فنی آزادی نہ دی جو تخلیقی ادب کا بنیادی اور فطری تقاضا ہے۔ اس تحریک کے ناقدین کی ادبی حیثیت زیادہ مستحکم نہیں تھی۔ وہ ادبی حلقوں میں نقاد کم اور عالمِ دین زیادہ سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے ان کے تنقیدی خیالات ادبی سے زیادہ تبلیغی محسوس ہوتے تھے۔ ان ناقدین نے اقبال کے کلام اور تصورات سے اپنے نظریہ کے حق میں جو نتائج نکالے وہ بھی اس تحریک کی تنقید کے لیے سودمند ثابت نہ ہو سکے۔ اقبال کے ہاں روشن خیالی اور ترقی پسندی کے جو آثار نظر آتے ہیں ان کا رخ موڑنے کی کوشش کی گئی۔ اقبال کے ضمن میں اس حقیقت سے بھی کیسے انکار ممکن ہے کہ وہ ملائیت، قدامت پسندی اور کٹر مذہبیت کے شدید مخالف تھے؟ یہ تنقید تعصب کا شکار بھی رہی۔ اس تحریک سے وابستہ ناقدین نے صرف اپنے تخلیق کاروں کی تخلیقات کو اہمیت دی اور معاصر ادب کو نظر انداز کیا۔ یہی نہیں بلکہ اپنے من پسند لکھنے والوں کی تخلیقات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا۔ جس کی وجہ سے یہ تنقیدی رجحان اردو میں کوئی قابلِ اعتبار درجہ حاصل نہ کر سکا۔

اس کے برعکس محمد حسن عسکری کے ہاں اسلامی ادب کا تصور زیادہ روشن، گہرا اور جان دار ہے۔ انھوں نے اسلامی ادب کو روایت اور تہذیب کے وسیع تناظر میں دیکھا۔ تحریک ادب اسلامی کے ناقدین کے ہاں اسلامی ادب کا دائرہ محدود ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ انھوں نے مغربی علوم اور فکر کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور اگر کیا بھی تھا تو بالائی سطح پر۔ اس لیے ان کے ہاں اسلامی ادب کا تصور بھی سطحی اور یک رخا ہے جب کہ عسکری کا معاملہ اس کے برعکس یوٹرن کا ہے۔ انھوں نے پہلے مغرب کے علوم اور فکر

کو کھنگالا' تراجم کے ذریعے اسے اردو میں متعارف کرلیا اور پھر مشرق کی روایتی تہذیبوں کی طرف مراجعت کی۔ انھوں نے پہلے پاکستانی ادب کا نعرہ لگایا اور پھر اسلامی ادب کی بات کی۔ ان کا اسلامی ادب کا تصور ان کے پاکستانی ادب کی ہی توسیع ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''پاکستان چوں کہ اسلامی تصور حیات کی نمایندگی کا دعویٰ کرتا ہے اس لیے بیسویں صدی کے موجود حالات میں ہمارا ایک خاص فرض ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے تصور حیات میں جو ممکنات ہیں انھیں ہم اپنے فکر و عمل اور اپنی شخصیت میں منتقل کریں۔ اسلامی کردار کی تخلیق بیسویں صدی کی انسانی تہذیب میں ایک انقلابی واقعہ ہوگا۔ یہ بات ہمارے لیے ایک اور لحاظ سے بھی اہم ہے۔ دوسری قومیں شاید اپنا تصور حیات چھوڑ کر بھی بری بھلی زندہ رہ سکتی ہیں۔ لیکن ہمارا تصور حیات اتنا واضح، معین اور غیر مبہم ہے کہ مسلمان صرف اپنے تصور حیات پر عمل کر کے ہی زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کے بغیر مسلمان کی زندگی ناممکن ہے ہماری قومی زندگی کی نشو نما اسی تصور حیات سے وابستہ ہے ہمارے ادب میں صرف اسی طریقے سے جان آسکتی ہے ورنہ یہ اسی طرح بے اثری اور نا توانائی کی خلاؤں میں ناک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔''(۴)

عسکری کا یہ نظریہ دراصل ان کے تصور روایت سے جنم لیتا ہے۔ ان کا تصور روایت ایلیٹ کے تصور روایت سے قدرے مختلف ہے۔ ایلیٹ کے تصور کے مطابق روایت کوئی مستقل چیز نہیں ہے بلکہ زمانے کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے جب کہ عسکری ایک مستقل مرکزی روایت کی بات کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک روایت ایسی چیز نہیں ہے جسے کسی معاشرے یا تہذیب نے عارضی طور پر اختیار کر لیا ہے بلکہ یہ وہ چیز ہے جو کسی تہذیب کی بنیاد ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک روایت کا تعلق ایک ایسے مابعد الطبیعاتی نظام سے ہے جس سے تہذیب کی ساری شکلیں جنم لیتی ہیں۔ عسکری کے خیال میں مرکزی روایت ایک ہوتی ہے اور دوسری روایتیں اسی مرکزی روایت سے پھوٹتی ہیں۔ عسکری اپنے تہذیبی شعور

میں اسلامی روایت کو مرکزی روایت قرار دیتے ہیں:

"ہماری دینی روایت الحمدللہ زندہ ہے اور ایسی زندہ ہے کہ دنیا کی کوئی روایت اس طرح زندہ نہیں' اور قیامت تک زندہ رہے گی۔ جو حضرات "اردو ادب کی روایت" کی فکر میں گھلتے ہیں۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ پہلے روایت کے معنی تو دریافت کرلیں۔"(۴)

وہ خود اس روایت کی دریافت میں نکلتے ہیں تو اردو ادب کو اسی دینی روایت کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اور دریافت کے اس عمل میں مولانا اشرف علی تھانوی کو راہنما بناتے ہیں اور روایتی شاعری سے صحیح آگاہی کے لیے مولانا تھانوی کی شرح غزلیات حافظ اور شرح مثنوی مولانا روم کو واحد ذریعہ بناتے ہیں۔ عسکری کے نزدیک اسلام روایتی مذہب ہے۔ اس لیے ان کے ہاں روایت' تصوف کے مترادف ٹھہرتی ہے۔ وہ ابن عربیؒ سے بھی استفادہ کرتے ہیں اور مجدد الف ثانیؒ سے بھی۔

عسکری کی فکر کا اصل منبع فرانسیسی مفکر رینے گینوں (شیخ عبدالواحد یحیٰی) کے تہذیبی تصورات تھے۔ جن سے عسکری نے براہ راست اثر قبول کیا تھا۔ گینوں نے مشرقی تہذیب کو دوسرے مستشرقین کے برعکس نئے اور وسیع تناظر میں دیکھا اور اس کے اصل جوہر کو دریافت کیا۔ ان کے نزدیک دنیا کی تین تہذیبیں ہیں ایک قدیم مشرقی تہذیب' دوسری جدید مغربی تہذیب اور ان کے درمیان اسلامی تہذیب۔ رینے گینوں نے مغربی تہذیب کو ٹھوس بنیادوں پر رد کرتے ہوئے زوال پذیر تہذیب قرار دیا۔ رینے گینوں کے یہی خیالات محمد حسن عسکری کے تہذیبی تصورات کی بنیاد بنتے ہیں۔ اس مطالعے میں ان کا موضوع اسلامی تہذیب کے تمام مظاہر ہیں۔ اسلامی فنِ تعمیر اور رسم الخط کے بارے میں ان کے مضامین ان کے بنیادی تصورات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ وہ اسلامی روایت کو زندہ روایت کہتے ہیں اور زندہ روایت وہی ہوتی ہے جو جامد و ساکت نہیں بلکہ عصری تقاضوں کے ساتھ چلتے ہوئے وسیع النظری کا ثبوت دیتی ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی فنِ تعمیر اسلامی کلچر کی اصل روح کی نشان دہی کرتا ہے۔ دنیا میں اسلامی فنِ تعمیر کا کوئی ایک انداز نہیں ہے بلکہ اس نے رومی، یونانی، ایرانی، ہندوستانی ہر

طرح کے اثرات کو قبول کر کے تہذیبی سطح پر وسعت نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ عسکری کے تہذیبی تصورات میں مابعد الطبیعیاتی تصورِ حقیقت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس بنیاد پر ان کے نزدیک انسانی تاریخ کی عظیم اور مکمل ترین تہذیبیں صرف چینی، ہندی اور اسلامی ہیں۔ عقائد و عبادات اور اخلاقیات میں تضاد کے باوجود ان میں قدرِ مشترک توحید کا مابعد الطبیعیاتی نظریہ ہے۔

ان کے نزدیک اسلام محض عقائد اور عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی قوت ہے۔ ایک ایسی تہذیبی قوت ہے جس نے تاریخ کی ہر نئی سمت کو اپنے اندر جذب کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کی تاریخ کو اسلام کے مفہوم سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کی ایک زندہ اور مرکزی روایت موجود ہے اور یہی روایت اردو کے روایتی ادب کی بنیاد ہے۔ وہ اسلامی ادب کے نمونے میں رومی، حافظ، سعدی، خسرو، غالب، مومن، میر امن، سر سید، نذیر احمد اور اقبال کی تخلیقات کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی ادب سے مراد محض ایسا ادب ہے جس میں اخلاق کی درستی اور اسلامی تعلیمات پر عمل کی بات کی گئی ہو بلکہ ایسا ادب ہے جس کے فن اور تخلیق میں اسلام کی اصل روح کارفرما نظر آتی ہے۔

عسکری نے اشتراکیت اور مذہبی شدت پسندی کے درمیان ایک معقول اور معتدل رویہ اپنایا۔ اس لیے اس کی گونج بہت دور تک سنی گئی۔ ان کے پاکستانی ادب کے تصور نے تو زیادہ مقبولیت حاصل نہ کی تھی لیکن اسلامی ادب کے تصور نے بحث، مباحثے کے نئے در وا کر دیے۔ اسلامی ادب کی تخلیق کا جواز بنتا ہے یا نہیں یا اس کی تخلیق ممکن ہے کہ نہیں؟ یہ سوال اپنی جگہ پر بہت اہم تھا۔ عسکری کے اس تصور کی مخالفت ترقی پسندوں سے زیادہ غیر ترقی پسندوں نے کی۔ "نظام" "نقوش" اور دوسرے رسائل میں اس تصور پر بہت بحث کی گئی۔ عسکری کی مخالفت اور موافقت میں جن دانش وروں نے قلم اٹھایا ان میں فراق گورکھپوری، ڈاکٹر احسن فاروقی، شوکت سبزواری، ابواللیث صدیقی، حامد حسن قادری، اخلاق احمد دہلوی، قرۃ العین حیدر، علی عباس جلال پوری، سعید احمد رفیق، عبادت بریلوی اور ڈاکٹر آفتاب احمد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اسلامی ادب کے تصور پر سب سے اہم اعتراض فراق گورکھپوری نے اپنے مضمون 'اسلامی ادب'

میں کیا جو نقوش لاہور کے شمارہ نمبر ۳۰۔۲۹ میں شائع ہوا۔ فراق کا کہنا تھا کہ ادب کی جاگیر کو مذہب کے نام پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اب دنیا تہذیبی اور تمدنی سطح پر ایک وحدت کی طرف بڑھ رہی ہے ایسے میں ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانا کسی طور درست نہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے عسکری کے اسلامی ادب کے تصور کو رد کرنے کے لیے بہت اہم سوال اٹھائے۔ ان کے خیال میں کوئی اصول ایسا نہیں ہے جس کی بنیاد پر ادب کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کی حدود کا تعین کیا جا سکے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر دنیا کے بلند ادب کو تراجم کے ذریعے اسلامی ممالک کی زبانوں میں منتقل کر دیا جائے تو کیا وہ ادب اسلامی ہو جائے گا؟ فردوسی، سعدی، حافظ اور دوسرے فارسی ادبا کا ادب عربی سے مختلف ہے۔ ایسے میں عربی ادب اسلامی ہوگا یا فارسی ادب؟ اردو میں جو ادب مسلمانوں نے تخلیق کیا، کیا وہ اسلامی ادب ہوگا اور جو ادب غیر مسلموں نے تخلیق کیا وہ غیر اسلامی ہوگا؟ جن اقدار اور تصورات کا ذکر مسلمان ادیبوں نے کیا ہے کیا کسی غیر مسلم کے ادب میں وہ نہیں آسکتیں؟ وہ لکھتے ہیں:

> ''پاکستان کی آبادی کی ترقی جس ادب کے ذریعے سے کرائی جا سکتی ہے وہ ادب اسلامی ادب نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے کسی ملک کی ترقی یا اصلاح ہندو ادب، عیسائی ادب، یہودی ادب، بودھ ادب کی مدد سے نہ کہیں ہو رہی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ چناں چہ پاکستان کا صحت مند و صحت بخش ادب کسی لحاظ سے اسلامی ادب نہیں ہو سکتا۔ اسلامی نعروں کا یا کسی مذہب کے نعروں کا ان تعمیری کاموں سے کوئی تعلق نہیں جن کے ذریعے سے کروڑوں پاکستانیوں کی مالی، ذہنی اور اخلاقی ترقی میں مدد مل سکتی ہے۔''(۴)

فراق گورکھپوری کے ان خیالات کے مطالعے سے لگتا ہے کہ وہ عسکری کے تصورات کو شاید پوری طرح سمجھ نہیں سکے کیوں کہ عسکری نے ایسے اسلامی ادب کی بات کی تھی جس میں اسلام کی روح موجود ہو یعنی اعلیٰ انسانی اقدار۔ جس کے سوتے اسلام کی مرکزی روایت سے پھوٹ رہے ہوں۔ اس میں مسلم یا غیر مسلم ہونے کا سوال نہیں اٹھتا۔ پھر عسکری کا اصل مسئلہ تو مغربی تہذیبوں کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کی معنویت اور سچائی کو اجاگر کرنا ہے۔

ڈاکٹر احسن فاروقی نے اپنے مضمون ''اسلامی ادب کیوں نہیں'' میں اسی مکتبہ نگاہ سے فراق گورکھپوری کی غلط فہمیوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی۔ ان کا کہنا تھا کہ مغرب نے انسانیت کی فلاح کے لیے جتنے نظریات پیش کیے وہ اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہے۔ اس کی بڑی وجہ مذہب کو نظر انداز کرنا تھا حالاں کہ مذہب انسانیت کی سب سے بڑی قدر رہے اس لیے ضروری ہے کہ اب ادب میں بھی مذہب کو اہمیت دی جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ اردو ادب کی روایت میں اسلامی عنصر کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ سرسید سے لے کر اقبال تک اردو کی ادبی رویت میں جتنے بھی بڑے نام آتے ہیں ان کی تخلیقات میں کسی نہ کسی صورت اسلام کی روح ضرور کارفرما ہے۔

فراق گورکھپوری کی تنقید ترقی پسند مکتبہ نظر کے تابع تھی اس لیے وہ ادب کو انسانی وحدت اور بین الاقوامیت کے تناظر میں دیکھ رہے تھے۔ ان کے اعتراضات کا سب سے مدلل جواب ڈاکٹر آفتاب نے دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ادب انسان کے تخلیقی تجربے کا اظہار ہے۔ جس پر کئی قسم کے شعوری اور لاشعوری اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں مذہب کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیوں مذہب کو تہذیب و تمدن کی تشکیل میں بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ مذہب ہی انسانی زندگی کی روحانی تربیت کرتا ہے اور اس کی سمت مقرر کرتا ہے۔ اس لیے مذہب انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی رہتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی فکری نظام اس کا متبادل نہیں ہو سکتا' لہٰذا ادب کی بحث میں بھی مذہب کو بالائے طاق نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ فراق خود بھی اپنی شاعری کے لیے ہندی اور مسلم کلچر کی فضا سے اثرات لینے کی بات کرتے ہیں۔ فراق نے ایک سوال یہ بھی اٹھایا تھا کہ شبلی اور ابوالکلام آزاد پاکستان اور مسلم لیگ کے مخالف تھے تو کیا ان کا ادب غیر اسلامی ہوگا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر آفتاب احمد کہتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ جو ادیب ایک تہذیب اور کلچری روایت سے وابستہ ہوں وہ سیاسی اعمال اور عقائد کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے وابستہ ہوں۔ وہ اسلامی ادب کے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمان ادیبوں کے طرزِ احساس و ادراک' ان کی شخصیت اور مزاج کے عناصر میں اور ان کی تخلیقات کے عام رجحانات میں

اسلامی اثرات کا عمل دخل نظر آتا ہے یا نہیں' مثلاً اگر آپ رومی اور اقبال کو اسلامی ادب کے علم بردار کہیں تو کیا یہ غلط ہوگا؟ اس سے آگے یہ سوچیے کہ کیا سعدی' حافظ' حالی' اکبر' نذیر احمد کے ادب میں واضح اسلامی اثرات نظر نہیں آتے؟" (۵)

اس بحث میں مختلف اہل قلم نے اپنے تاثرات پیش کیے' قراۃ العین حیدر کا خیال تھا کہ اس طرح کی بحث میں پڑنے کے بجائے ایک ایسے عالمگیر ادب کی تخلیق پر زور دینا چاہیے جو انسانیت کی فلاح اور اس کے مستقبل کے لیے ہو۔

ڈاکٹر شوکت سبزواری' فراق کے اشتراکیت پسند نظریات کو رد کرتے ہوئے اسلامی ادب کو صالح اور ترقی پسند ادب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے۔ اس کی روح کسی بھی زبان کے ادب میں پیش کی جا سکتی ہے۔ اس لیے صرف اردو ہی نہیں کوئی بھی ادب اسلامی یا غیر اسلامی ہو سکتا ہے۔

اخلاق احمد دہلوی نے ڈاکٹر احسن فاروقی کے مضمون "اسلامی ادب کیوں نہیں؟" کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے نزدیک اردو کی ترویج و ترقی میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کا بھی بڑا حصہ ہے جسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ ہی اردو ادب کی روایت سے خارج کیا جا سکتا ہے۔

سید علی عباس جلال پوری کے نزدیک اسلامی ادب کی اصطلاح ہی مہمل ہے۔ اسلامی ادب کی مستقل بالذات حیثیت ثابت ہی نہیں کی جا سکتی ہے۔ وہ فراق کی حمایت میں اردو ادب کے اس حصے کی مثال دیتے ہیں جس میں اسلامی اثرات موجود نہیں۔

سعید احمد رفیق کے نزدیک ایسا ادب اسلامی کہلایا جا سکتا ہے جو اسلامی نظریات' اقدار' نظریہ حیات' فلسفہ زندگی اور عقائد کو پیش کرے۔ جو تخلیقات ان معیاروں پر پورا اترتی ہیں وہی اسلامی ادب کا حصہ ہیں۔

ابو اللیث صدیقی اسلامی ادب کو اتنا ہی ضروری خیال کرتے ہیں جتنا مسلمانوں کے لیے خود اسلام ضروری ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی ادب صرف پاکستان کے مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ضروری اور اہم ہے۔

جب کہ فراق کی طرح حنیف فوق بھی ادب کے لیے مادی اور اقتصادی عوامل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی تہذیب' اقتصادی ذرائع پیداوار' جغرافیائی حالات اور نسلی خصوصیات سے متاثر ہوتی رہی ہے۔ تہذیب کی ان تبدیلیوں کا اثر مسلمانوں کے ادب پر بھی ناگزیر ہے۔

علمی حلقوں میں اسلامی ادب کے ان مباحث کا سلسلہ کچھ عرصہ تک زور وشور سے چلا مگر جلد ہی مدھم پڑ گیا۔ اسے طول دینے میں خود عسکری صاحب کو بھی دل چسپی نہیں رہی تھی جس کا اظہار انھوں نے ڈاکٹر آفتاب احمد کے نام ایک خط میں کر دیا تھا۔(۶) یہ نظریہ اردو میں ایک بڑی تحریک کی شکل تو اختیار نہ کر سکا مگر انھوں نے جو آواز اٹھائی تھی اس کی گونج اب تک سنائی دیتی ہے۔ وہ جو سجاد باقر رضوی نے کہا تھا کہ "انھوں نے اپنے پیچھے چلنے والوں کو فرانس اور جرمنی میں چھوڑا اور خود رینے گینوں کے ساتھ مسلم تہذیب کے مطلعے میں واپس آ گئے"(۷) تو ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی مسلم تہذیب کی طرف لوٹے اور اس فکر کو اپنی تنقید میں ساتھ لے کر چلے۔ ان میں دو نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک سراج منیر کا اور دوسرا ڈاکٹر تحسین فراقی کا۔

سراج منیر نے عسکری اور رینے گینوں سے براہِ راست اثر قبول کیا تھا۔ ان کی تنقید انھی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے جن پر عسکری کے نظامِ فکر کی عمارت کھڑی ہے۔ سراج منیر کہتے ہیں: "میرے مرکزی تصورات کی پوری کائنات کا غالب حصہ انھیں (عسکری) کے اثر سے ترتیب پاتا ہے"۔(۸)

سراج منیر کی تنقید کا محور مسلم تہذیب کے وہ فکری اصول ہیں جن کی جڑیں اسلام کی روایتی فکر میں پیوست ہیں۔ ان کے نزدیک تہذیب کی بنیاد مذہب پر ہوتی ہے۔ جو زمان میں روایت کے مربوط تسلسل کے ذریعے سفر کرتی ہے۔ مذہب کے حوالے سے تہذیب کی حیثیت ایک میڈیم کی ہوتی ہے۔ مذہب اس میڈیم کے ذریعے فرد کی مختلف تہوں کو تاریخی اور معاشرتی عمل سے گزارنے کے بعد اس کے روحانی اور جسمانی امکانات کو حقیقت میں تبدیل کرتا ہے۔

انیسویں صدی میں یورپ میں مشرقی تہذیبوں کو سمجھنے کا رجحان پیدا ہوا۔ رینے گینوں نے اس ضمن میں جو نکتۂ نظر اپنایا وہ دوسرے مستشرقین کے نظریات سے بالکل مختلف تھا۔ اس نے مشرقی اور

مغربی تہذیبوں کے مابین اسلامی تہذیب کو سب سے زیادہ اہمیت دی اور مغربی تہذیب کے مظاہر کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انھیں مغربی تہذیب کے زوال کی علامت بتایا۔ سراج منیر نے اپنی کتاب ''ملت اسلامیہ تہذیب وتقدیر'' میں مغرب کے ان تمام مطالعات تہذیب کا جائزہ لیا جن کی رو سے مغرب میں اسلامی تہذیب کا مطالعہ کیا گیا۔ ان کے نزدیک مغرب کا یہ تصور غلط ہے کہ دنیا کی ہر تہذیب پہلی تہذیبوں کی قائم مقام ہوتی ہے۔ ان کی تہذیب کی بنیاد تصور حقیقت پر ہے جسے مغرب والوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ ان کے مطابق مغرب میں اسلامی تہذیب کا مطالعہ چار مختلف نکتہ ہائے نظر سے کیا گیا۔ یعنی فلسفہ تاریخ کی روشنی میں اسلامی تہذیب کے مظاہر کے حوالے سے 'فلسفہ وتاریخ کے عالمی حرکت کے اصول سے اور اسلامی دنیا کے سیاسی اور معاشی پس منظر کے حوالے سے' ان کا کہنا ہے کہ مغرب نے اسلامی تہذیب کو سمجھنے کے لیے مطالعہ کا جو راستہ بھی اختیار کیا وہ اسلامی تہذیب کے اصل جوہر کو تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے۔

مسلم تہذیب اور اسلامی ادب کے اس نظام فکر کو اپنی تنقید میں ساتھ لے کر چلنے والوں میں دوسرا اہم نام ڈاکٹر تحسین فراقی کا ہے۔ ان کی تنقید میں اسلامی تہذیب ایک مستقل اثر کے طور پر موجود رہتی ہے۔ انھوں نے اردو ادب کی دینی اور آفاقی جہتیں نمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

> ''میرے خیالات دراصل میرے دینی' تہذیبی' ادبی اور جمالیاتی شعور رکھنے والے پیش رو قلم کاروں کی صدائے بازگشت ہیں۔(۹)

یہ تعین کرنا ضروری ہے کہ ان کے یہ پیش رو کون ہیں؟ یقیناً ان کے یہ پیش رو ادب کو دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنانے یا نعرہ بازی کرنے والے لوگ نہیں۔ بلکہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اردو ادب کو مسلم تہذیب کے ایک وسیع تر تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے وہ ادب میں اسلامی اقدار کی پیش کش کو ادب کی جمالیاتی اقدار سے مشروط قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقدار ابدی حقیقتیں ہوتی ہیں جو اپنے اپنے خاص ماحول میں خاص عقائد و افکار کے تحت وجود میں آتی ہیں اور زندگی کے ہر دائرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ادب جہاں سماج سے ہر طرح کے اثرات قبول کرتا ہے وہاں اقدار کو بھی قبول کرتا

ہے۔ اس لیے اردو ادب کا اسلامی اقدار کو قبول کرنا کوئی انہونی نہیں بلکہ ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اردو ادب میں اگرچہ اسلامی اقدار کا ایک نہایت مختصر حصہ منتقل ہوا ہے۔ لیکن اردو ادب میں مذہبی اور دینی اثرات شروع ہی سے موجود رہے ہیں۔ اردو کی ابتدائی تحریریں چاہے وہ نثری ہوں یا شعری عموماً دینی نوعیت کی ہیں۔ مصحفی، مومن اور دوسرے شعرا کے ہاں اسلامی تشخص جھلکتا ہے حتیٰ کہ کبیر داس اور محمد جائسی جیسے شاعروں کی ہندی شاعری پر بھی اسلامی اثرات دکھائی دیتے ہیں۔ اردو ادب کے اس پس منظر میں ان کا کہنا ہے:

> ''آج کا اردو ادب مسلم تہذیب اور اس کے موجودہ رویوں کے حوالے سے بعض اہم سوال اُٹھا رہا ہے، مسلم تہذیب کی عظمت کی بازیافت اور جدید اردو ادب کی کامیابی اسی سوال کے صحیح جواب میں مضمر ہے۔''(۱۰)

ان کی عملی تنقید اسی سوال کا جواب دینے کی سعی کرتی ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی کی ذہنی تربیت مسلم فکر و دانش کے زیر اثر ہوئی ہے، وہ مسلم تہذیب اور اس کے مسائل و مباحث کو اسی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں معاصر ادب کے شعری اور نثری مطالعات میں یہی طرزِ احساس واضح طور پر کارفرما نظر آتا ہے۔ حالی، اکبر اور حفیظ کی شاعری ان کے نزدیک مسلم نشاۃ ثانیہ کی آواز ہے۔ ان کے مطابق حالی نے تاریخ اور تہذیب کو اپنی آنکھوں سے مسخ ہوتے ہوئے دیکھا تھا اس لیے وہ مسلمانوں کے زوال کے آثار، علم و آگہی سے ان کی بے رخی اور مسلم کلچر کے فضائل کو ترک کر دینے کے رویئے میں دیکھتے ہیں۔ حفیظ جالندھری برعظیم میں مسلم نشاۃ ثانیہ کا نقیب ہے کیوں کہ ان کے ہاں مسلم نشاۃ ثانیہ کا تصور ایمان، آزادی، عدل، معاشی و معاشرتی مساوات اور تاریخ و تہذیب کے معروضی جائزے سے ترتیب پاتا ہے۔ تحسین فراقی اکبر الٰہ آبادی کے مغربی تہذیب کے بارے میں خیالات کو بہت سراہتے ہیں کیوں کہ یہی رویہ مغربی یلغار کے سامنے مسلم کلچر کا دفاع کر رہا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ اکبر نے جس تصور کی نفی اپنے وجدان اور بصیرت کی بنیاد پر کی تھی آج مغرب میں وہی تصور سائنسی بنیادوں پر رد ہو رہا ہے۔ اقبالیات ڈاکٹر تحسین فراقی کی تنقید میں ایک مستقل موضوع ہے۔ اقبال کے حوالے سے ان کی

دو تنقیدی کتابیں 'جہات اقبال' اور 'اقبال ۔ چند نئے مباحث' اقبالیات کے تنقیدی سرمایے میں نہایت اہم اضافہ ہیں۔ ڈاکٹر تحسین فراقی کے نزدیک اردو شاعری کی تاریخ میں ایک اقبال ہی ایسا شاعر ہے جس کی نظریہ اسلام سے وابستگی تھی۔ اس لیے اردو شاعری میں ملت اسلامیہ کا اس سے بڑا حدی خواں تلاش کرنا ممکن نہیں۔ ان کی عملی تنقید سے قطع نظر انھوں نے معروف عالمی دانش وروں کے فکر انگیز مقالات کے جو تراجم کیے ہیں ان کے پس پردہ بھی ان کا یہی طرزِ احساس کارفرما نظر آتا ہے۔ اسلامی تہذیب اور فکر و دانش سے ان کی یہی گہری وابستگی ان کے فکری تجزیوں کو اعتماد بخشتی ہے۔

اسلامی ادب کے یہ مباحث ایک ردعمل کے طور پر ظاہر ہوئے تھے۔ اس تحریک / رجحان سے وابستہ ناقدین نے اپنے موقف کا بھرپور دفاع کیا۔ اگرچہ یہ تحریک عملی طور پر ختم ہو چکی ہے۔ لیکن اس نے اردو کی تنقیدی روایت پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں جن کی چھاپ آج بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) جیلانی کامران 'تنقید کا نیا پس منظر' لاہور: مکتبہ ادب جدید ۱۹۶۳ء ص ۴۶

(۲) محمد حسن عسکری 'انسان اور آدمی' مشمولہ مجموعہ محمد حسن عسکری' لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء ص ۵۴

(۳) محمد حسن عسکری 'وقت کی راگنی' ایضاً' ص ۶۵۵

(۴) فراق گورکھپوری 'اسلامی ادب' ماہنامہ نقوش لاہور فروری مارچ ۱۹۵۳' ص ۳۳-۳۴

(۵) ڈاکٹر آفتاب احمد 'اشارات' کراچی: مکتبہ دانیال ۱۹۹۶ء ص ۵۰

(۶) ڈاکٹر آفتاب احمد 'محمد حسن عسکری ایک مطالعہ' لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۹۴ء ص ۱۷۶

(۷) ڈاکٹر سجاد باقر رضوی 'معروضات' لاہور: پولیمر پبلی کیشنز ۱۹۹۰ء ص ۱۲۴

(۸) سراج منیر 'جدیدیت ۔ چند تصریحات' روایت (۱) لاہور: ۱۹۸۳ء ص ۴۵

(۹) ڈاکٹر تحسین فراقی 'جستجو' لاہور: القمر انٹرپرائزز ۱۹۹۷ء ص ۱۱

(۱۰) ڈاکٹر تحسین فراقی 'افادات' لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۰۴ء ص ۳۱

❀❀❀